فلک آہو

یقیں کا جب تلک اک دائرہ موجود رہتا ہے
نظر آتا نہیں لیکن خدا موجود رہتا ہے

اسرار دانش

فلک آہو

اسرار دانش

شعری مجموعہ

FALAK AAHU

(Poetry Collection)

By

Asrar Danish

نام کتاب : فلک آہو (شعری مجموعہ)

شاعر : اسرار دانش

شاعر کا پتہ :

Musrigharari

Samastipur-848 101(Bihar)

Mobile:9031860572, 8651935602

e-mail:asrardanish@gmail.com

کمپوزنگ : اے۔ون۔کمپیوٹر، مسری گھراری

قیمت : ۱۰۰ روپے

سن اشاعت : ۲۰۱۳ء

تعداد : ۵۰۰

ملنے کا پتہ

شمسی بک سنٹر

چھوٹی مسجد، اسٹیشن روڈ، سمستی پور

Mob.9431406101

انتساب

خورشید اکبر

اور

خالد عبادی

کے

نام

□

تجسس ہے، طلب ہے آرزو ہے میری فطرت میں
میں رہ سکتا نہیں ہرگز کبھی شہرِ قناعت میں

اسرار دانش

ڈاکٹر جمال اُویسی

''فلک آہو'' کی غزلیں

غزل کے اندر مضامین جذب کرنے کی جو صلاحیت ہے اسے دیکھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے لغوی معنی کو بدل دینا چاہئے۔ یعنی غور کیجئے کہ غزل کے لغوی معنی میں معشوق سے لگاوٹ کی باتیں کرنا ہیں اور لگاوٹ کی باتیں بھی ظاہری سطح کی نہیں ہوتیں۔ گرچہ ابتدائی مرحلہ ظاہری سطح کا ہوتا ہے۔ لیکن جو آہستہ آہستہ مزید گہرا اور رمزیہ انداز اختیار کرتا چلا جاتا ہے۔ جدید دور کی غزلوں کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ اس نے زندگی کی بہت ساری سطحوں کو کھینچ کر اپنے اندر شامل کر لیا ہے۔ اس لیے یہ صنف (Genre) محض مطلع اور مقطع کے درمیان کی کڑی نہیں رہ گئی ہے۔ بظاہر چھوٹی، بباطن عمیق ساختیہ کی حامل غزل جدید دور کی تمام کروٹوں کو

اس خوبصورتی کے ساتھ ابھارتی ہے کہ مرثیہ، مثنوی اور رزمیہ کی ضر□ورت کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ غور کرنے والی بات ہے کہ آج غزل نے جو شعری کردار انجام دیا ہے کسی زمانے میں مثنوی، مرثیہ اور رزمیہ کے ذریعہ ادا کیا جاتا تھا۔ میرے ایسا کہنے کا مدعا ہرگز یہ نہیں کہ آج مثنوی یا رزمیہ یا طویل نظمیں نہیں لکھنی چاہئیں کیوں کہ یہ کام غزل انجام دے رہی ہے۔ آج پہلے سے زیادہ طویل نظموں اور رزمیوں کی ضرورت ہے۔ جدید تر زندگی کے تضادات کو خوبصورتی کے ساتھ انہی شعری سانچوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جس بات پر میں توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ غزل کے امکانات ہیں۔ غزل میں امکانات ہر زمانے میں رہے ہیں۔ آج اس کے اندر امکانات در امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔ اس لیے جدید غزل مثنوی بھی ہے، مرثیہ بھی، رزمیہ اور شہر آشوب بھی، ہجو بھی ہے قصیدہ بھی ہے۔ چنانچہ غزل کی صورت کچھ ایسی بن گئی ہے ے جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے'' اور اسے رقم کرنے میں جو بے ساختگی، والہانہ پن اور لفظوں کے تضاد کی صورت پیدا کی جاتی ہے وہ پہلے غزلوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ غزل کے تمام امکانات کو بروئے کار لانے والا شاعر غالبؔ تھا۔ غالبؔ سے پہلے کسی کی نظر اس کے تار و پود پر نہیں پڑی تھی۔ غالبؔ نے اس Machanism کو سمجھا اور قادرانہ انداز میں غزل کو برت کر دکھایا۔ چنانچہ غزل کی جو صورت آج دکھائی دیتی ہے وہ غالبؔ ہی کی دین ہے۔ اس پس منظر میں جدید تر غزل کی آویزشوں کو بخوبی سمجھا اور سمجھایا جا سکتا ہے۔

میرے پیش نظر نئی نسل کے پختہ کار شاعر اسرار دانش کا ترتیب دیا ہوا شعری مجموعہ ''فلک آہو'' ہے۔ اسرار پچھلے سترہ اٹھارہ سال سے غزلیں کہہ

رہے ہیں اور انھوں نے کھلے انداز والا بیانیہ اختیار کیا ہے۔ ان کی غزل ان کی ذہنی کیفیت کی غمازی کرتی ہے۔ ان کے یہاں انا گیری اور بے ساختگی دونوں کا ملا جلا انداز پایا جاتا ہے۔ وہ عام ڈگر سے ہٹ کر شعر کہنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کوشش میں وہ اپنے تنقیدی شعور کی رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ ان کی غزل پہلی قرأت میں چونکاتی ہے اس کے بعد داخلی کیفیات سے ہمکنار کرتی ہے۔ اسرار دانش کے لب ولہجہ میں وہ بے ساختگی اور روانی پائی جاتی ہے جسے دیکھ کر اندازہ کرنا بے جا نہیں ہے کہ وہ اگلے شعری پڑاو پر ایک نہایت دُھلا دُھلا یا سالب ولہجہ لے کر آئیں گے جس کے اندر جاذبیت اور معنویت دونوں ہوگی۔ ''فلک آہو'' کے دعائیہ غزل کے یہ شعر روایتی دعائیہ غزل سے کتنے مختلف اور کاٹ دار ہیں محسوس کرنے کی چیز ہے

ہے

عقدۂ زیست خدا حل کر دے
یا میرا جینا معطل کر دے
چھین لے خواب میری آنکھوں سے
یا مرے خواب مکمل کر دے
اس کو تو میرا بنا دے یا رب
یا میری آنکھ سے اوجھل کر دے

امکانات تو انھیں اشعار کے مطالعہ کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ کُھلا پن یا یوں کہہ لیجئے لہجہ کا بنداس پن اور بے ساختگی نظر آتی ہے۔ یہ بات شاعر کی ذہنی کیفیت کی غماز بھی ہوسکتی ہے اور آج کے انسانی معاشرہ کا پیدا کردہ وہ

انسانی کردار بھی ہوسکتا ہے جس کا مشاہدہ ہم روز کرتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے کُھلے مزاج کردار آج کی دنیا میں جتنے کُھلے نظر آتے ہیں اتنے ہی تہہ دار بھی ہوتے ہیں۔ مجھے اسرار کے یہاں تہہ داری بھی نظر آئی اور یہ تہہ داری غزل کا خاصہ ہے تو شاعر کو اسے فطری طور پر اپنانا لازمی ہوجاتا ہے۔ اسرار دانش کے یہاں بے ساختگی اور تہہ داری دونوں انداز میں اپنا ''کچھ'' بیان کرنے کا ہُنر پوشیدہ ہے

ہے

کہیں بجلی چمکتی ہے کہیں تلوار چلتی ہے
مرے شامل کسی کی حسرتِ دیدار چلتی ہے
ہمارے قریۂ جاں کا ابھی موسم نہیں بدلا
ہمارے قریۂ جاں میں ہوا خوں بار چلتی ہے
عداوت میں زیاں ہے جان کا معلوم ہے لیکن
محبت بھی جہاں میں صورتِ آزار چلتی ہے
تمہارے شہر کا منظر بڑا پر کیف ہے لیکن
دل و جاں میں مری جاناں بڑی تکرار چلتی ہے
چرالیں گے کسی دن ہم تری آنکھیں ترے دل کو
پھر اس کے بعد اپنے پیار کا اعلان کر دینگے
تجھے توقیر بخشیں گے دیارِ دل میں رہنے کا
تجھے اپنا بنالیں گے تجھے ذی شان کر دینگے

اسرار دانش کی غزل کی یہ خوش آہنگی متاثر کرنے والی

ہے۔غزل کو یہ لب ولہجہ بہت مرغوب ہے۔ ہمارے بہت سے شعراء بشمول عرفان صدیقی مرحوم غزل کی خوش آہنگی کے دیوانے ہیں۔غزل کا رشتہ ضمیر کی صداقتوں سے ہوتا ہے اور اسی بنا پر شاعر کی انفرادیت بھی ابھر کر سامنے آتی ہے۔غزل کی ابتدائی شرطوں میں جو گرامر (عروض، اوزان وغیرہ) کی شرطیں ہیں انہیں ہر غزل گو کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ایک بحر میں دو بحروں کا استعمال ان گھڑ ہونا ثابت کرتا ہے اور آج کل ایسے کئی بزرگ شعراء ہیں جن کے یہاں یہ بنیادی غلطی پائی جاتی ہے۔غزل کی شاعری میں ان باتوں کا لحاظ رکھنا اشد ضروری ہوتا ہے۔اگر کسی شاعر نے ابتدائی سبق کو پورا کر لیا تو اس کے سامنے شاعری کا کھلا میدان ہے وہ جو باتیں چاہے غیر رسمی انداز میں بیان کر سکتا ہے۔ہاں اس کام میں بڑی ہمت اور حوصلہ بلکہ جگر کاوی کی ضرورت ہے۔

اسرار دانش نے اپنا جو مجموعہ ترتیب دیا ہے تو انھوں نے غزل کی ابتدائی شرائط کا نہ صرف لحاظ رکھا ہے بلکہ غزل کی صوتیات سے اپنی گہری وابستگی اور غزل کے بنیادی نیچر سے اپنی واقفیت کا برملا اظہار بھی کیا ہے۔اس لیے ان کے یہاں زبان تنگ سنک سے نہ صرف درست ہے بلکہ یہ اگلے مرحلوں (معنی آفرینی وغیرہ) میں داخل ہو چکی ہے۔چند شعر دیکھئے

ہم اپنی آنکھ کے خوش رنگ خوابوں کے اشارے

پُر

کبھی دریا کبھی صحرا کی ویرانی میں رہتے ہیں

ہزاروں بے گنہ لوگوں کی جس نے جان لے لی ہے

اسی کا فرا دا کی ہم ثنا خوانی میں رہتے ہیں

وہ میری ذات میں پنہاں ہے لیکن

میں خود سے دور اس کو ڈھونڈتا ہوں

اکھڑتی جا رہی ہیں میری سانسیں

محبت کا یہ کیسا ذائقہ ہے

منائیں خیر اہل ہوش اپنی

جنوں بے باک ہوتا جا رہا ہے

یہ اشعار فنی اعتبار سے جس پختگی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں ،قابل رشک ہے۔زبان ڈھلی ہوئی اور لہجہ پاٹ دار ہے۔ نئے غزل گو شعراء کی دوسری کھیپ سے تعلق رکھنے والے اسرار دانش نے ''فلک آہو'' کی صورت میں ایک جامع شعری مجموعہ پیش کیا ہے۔وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

☆☆

غزل

عقدۂ زیست خدا حل کر دے
یا میرا جینا معطل کر دے

چھین لے خواب میری آنکھوں سے
یا مرے خواب مکمل کر دے

لکھ دے تو پھر سے مقدر میرا
میری ہستی کو مصقل کر دے

اس کو تو میرا بنا دے یا رب
یا میری آنکھ سے اوجھل کر دے

حوصلہ دے تو چراغوں کو مرے
یا ہواؤں کو مقفل کر دے

☆☆

□

غزل

ہوا خوشبو سے بھر جائے فضا تبدیل ہو جائے
اگر تشکیک کا سنگِ گراں تحلیل ہو جائے

یہ دنیا میرے قدموں کو تو پھر تحصیل ہو جائے
مرے اجداد کی حسرت اگر تکمیل ہو جائے

ابھی تک کام کرنے کا ذرا بھی ڈھب نہیں آیا
کبھی تاخیر ہو جائے، کبھی تعجیل ہو جائے

ہماری التجاؤں کو خدا ٹھکرا نہیں سکتا
خدا کے حکم کی ہم سے اگر تعمیل ہو جائے

☆☆

غزل

تعجب کیا اگر دشمن برائی کرتا رہتا ہے
یہ کارِ خیر تو اب میرا بھائی کرتا رہتا ہے

کوئی تو ہے کہ جس کی دسترس میں ساری دنیا ہے
وگرنہ کون یہ عقدہ کشائی کرتا رہتا ہے

بھلا بیٹھا ہے جا کر شہر میں ماں باپ کو یکسر
خدا جانے وہاں کیسی کمائی کرتا رہتا ہے

یہ دنیا چوٹ پہنچاتی ہے اس کو زخم دیتی ہے
مگر وہ شخص تو سب کی بھلائی کرتا رہتا ہے

□

سکھانے کی ضرورت ہے اسے آدابِ محفل کے
بڑوں کے سامنے جو لب کشائی کرتا رہتا ہے

مزہ جب ہے کمی دل کی سیاہی میں بھی آ جائے
وضو سے تو بدن کی وہ صفائی کرتا رہتا ہے

اسی کو کامیابی سجدہ کرتی ہے جہاں میں جو
شکم کی آگ کی لو میں بڑھائی کرتا رہتا ہے

☆☆

غزل

ہماری زندگی کا خوشنما ہونا ضروری ہے
ہمیں اک دوسرے کا آئنہ ہونا ضروری ہے

بڑی مدت سے جاری جنگ ہے اپنی اندھیروں سے
شکست و فتح کا اب فیصلہ ہونا ضروری ہے

تصور ورنہ دنیا کا غلط ہو جائے یکسر
یہاں تو حادثے پر حادثہ ہونا ضروری ہے

عقب سے وار کرتے ہیں جو بزدل لوگ ہوتے ہیں
بہادر ہو اگر تو سامنا ہونا ضروری ہے

□

فرشتوں کو عطا کر دی گئیں معصومیت ساری
اگر انسان ہیں تو پھر خطا ہونا ضروری ہے

رگوں میں دوڑتے خوں پر کسی کا بھی اگر دانش
ذرا بھی قرض ہے تو پھر ادا ہونا ضروری ہے

☆☆

غزل

جہاں پر آگ لگتی ہے دھواں ہونا یقینی ہے
محبت ہے اگر تو بدگماں ہونا یقینی ہے

اگر ہے خواب کا حصّہ تو پھر معدوم ہونا ہے
حقیقت ہے اگر تو پھر عیاں ہونا یقینی ہے

اگر کچھ بھی نہیں ہے تو وہاں کچھ ہو بھی سکتا ہے
اگر کچھ ہے تو پھر اس کا زیاں ہونا یقینی ہے

اگر وہ آگ ہے سب کچھ جلا کر خاک کر دے گا
سمندر ہے اگر تو بیکراں ہونا یقینی ہے

یہ فطرت ہے کہ ہر شئے بر سرِ پیکار رہتی ہے
زمیں نیچے تو سر پر آسماں ہونا یقینی ہے

☆☆

□

غزل

زندگی ہو تو امامت والی
موت آئے تو شہادت والی

اس کی چاہت ہے ضرورت والی
مری قربت ہے عقیدت والی

دن کسی طرح گزر جاتا ہے
رات آتی ہے قیامت والی

اس کا لہجہ ہے بغاوت والا
میری مٹّی ہے محبّت والی

چاند کو قید بھی کرنا چاہے
راہ بھی چاہے سہولت والی

☆☆

غزل

غزل کے شہر میں ہم حکمراں کے ساتھ رہتے ہیں
تری خوش رنگ یادوں کی دھواں کے ساتھ رہتے ہیں

غلط کیا ہے اگر ہم رائگاں کے ساتھ رہتے ہیں
جنوں والے ازل ہی سے زیاں کے ساتھ رہتے ہیں

کبھی تو جال نہروں کا ہمارے ساتھ رہتا ہے
کبھی ہم پالکی میں کہکشاں کے ساتھ رہتے ہیں

ہمارے جسم و جاں کو زیر کرنا سخت مشکل ہے
جہاں رہتے ہیں ہم تیر و کماں کے ساتھ رہتے ہیں

ہمارے ساتھ رہتا ہے ہجوم درد ہر ساعت
غلط ہے ہم کسی بھی کارواں کے ساتھ رہتے ہیں

☆☆

□

غزل

وسائل کو ہمیں سے دشمنی ہے
ضرورت نے خموشی سادھ لی ہے

کسے آواز دیتے ہو یہاں پر
یہ دنیا خود کو پتھر کر چکی ہے

ابھی اس بات کو سمجھا نہیں ہوں
قناعت موت ہے یا زندگی ہے

یہ موسم چاہتا ہے تیری قربت
"طبیعت تجھ سے دوری چاہتی ہے"

بڑی اچھی طرح اچھے برے کو
مری دانشوری پہچانتی ہے

☆☆

غزل

بہت مشہور ہو جاتے بہت مقبول ہو جاتے
صداقت کی لڑائی میں اگر مقتول ہو جاتے

ہوا کا زور اتنا تھا کہ کچھ بھی بچ نہیں پایا
جو چالاکی نہیں کرتے تو ہم بھی دھول ہو جاتے

تو پھر ہر بات بن جاتی پریشاں حال نہ ہوتے
دعاؤں میں تری ہم بھی اگر مشمول ہو جاتے

تری دنیا میں آخر کچھ تو ہونا تھا ہمیں یارب
اگر قاتل نہیں ہوتے تو ہم مقتول ہو جاتے

□

دل بیتاب کی مشکل کا حل یوں بھی نکل جاتا
اگر ہم خار ہو جاتے، اگر تم پھول ہو جاتے

بہت اچھا ہوا دانش کہ ویسے بن نہیں پائے
خرد کی زد میں ہم رہتے اگر معقول ہو جاتے

☆☆

غزل

نواحِ جاں کا ہر مسئلہ حل کر دیا ہے
اُسے دل کی حکومت سے معطّل کر دیا ہے

تہی دستی مرا اب کیا بگاڑے گی کہ میں نے
تمناؤں کو زنداں میں مقفل کر دیا ہے

مری منزل کو کس نے کر دیا ہے دور مجھ سے
مرے رستے میں حائل کس نے دَلدل کر دیا ہے

وجود اس کا ادھورا تھا، سکوتِ شب میں دانشؔ
مرے دستِ محبت نے مکمل کر دیا ہے

☆☆

□

غزل

حوالے آپ کے سب کچھ بجز ایمان کر دینگے
ہم اپنے جان و دل کا آپ کو سلطان کر دینگے

چُرا لیں گے کسی دن ہم تری آنکھیں، ترے دل کو
پھر اس کے بعد اپنے پیار کا اعلان کر دینگے

تجھے توقیر بخشیں گے، دیارِ دل میں رہنے کا
تجھے اپنا بنا لیں گے تجھے ذی شان کر دینگے

تعلق میں ابھی تک ہم نے دھوکے ہی تو کھائے ہیں
کسی کو دل اگر دینگے تو اب پہچان کر دینگے

سہولت سے نہ مل پایا ہمارا حق اگر دانشؔ
کسی دن ہم یقیناً جنگ کا اعلان کر دینگے

☆☆

غزل

کہیں بجلی چمکتی ہے کہیں تلوار چلتی ہے
مرے شامل کسی کی حسرتِ دیدار چلتی ہے

حق و باطل میں صدیوں سے یہی تکرار چلتی ہے
''ادھر میں سر اٹھاتا ہوں، ادھر تلوار چلتی ہے''

ہمارے قریۂ جاں کا ابھی موسم نہیں بدلا
ہمارے قریۂ جاں میں ہوا خوں بار چلتی ہے

تمہارے دل میں بھی شوق خطا موجود رہتا ہے
ہمارے ساتھ بھی اک خواہشِ بدکار چلتی ہے

مری آنکھوں میں اب بھی رقص کرتا ہے وہی چہرا
مرے شامل کسی پازیب کی جھنکار چلتی ہے

□

سرِ دیوار کا منظر بہت شفاف ہے لیکن
کسے معلوم کیا سازش پسِ دیوار چلتی ہے

ہوائے کوچۂ جاناں میں پہلے پھول کھلتے تھے
ہوائے کوچۂ جاناں بھی اب بیمار چلتی ہے

عداوت میں زیاں ہے جان کا معلوم ہے لیکن
محبت بھی جہاں میں صورتِ آزار چلتی ہے

زباں کو بند رکھنے کی ہے پابندی وہاں تو کیا
ہمارے ساتھ بھی تو جرأتِ اظہار چلتی ہے

تمہارے شہر کا منظر بڑا پرکیف ہے لیکن
دل و جاں میں مری جاناں بڑی تکرار چلتی ہے

☆☆

غزل

خاموشی کا پہرہ کیوں ہے
منظر سہما سہما کیوں ہے

کس نے سوچا اس پہلو سے
سورج دن بھر جلتا کیوں ہے

میری قسمت دشت نوردی
میری آنکھ میں سپنا کیوں ہے

کانٹوں سے جب خوف ہے اتنا
پھول کی جانب بڑھتا کیوں ہے

میری گردن اس کے بازو
میں کیا جانوں ایسا کیوں ہے

☆☆

□

غزل

بدل جانا فضا کا دفعتاً پرنور ہو جانا
تری آمد سے دل کے درد کا کافور ہو جانا

تجھے کیسا لگا آخر تعلق کے حوالے سے
مرا بدنام ہو جانا ترا مشہور ہو جانا

بدلتے وقت کے ہاتھوں کرشمے خوب ہوتے ہیں
ترا مختار ہو جانا، مرا مجبور ہو جانا

تماشے ہوتے رہتے ہیں سفر میں زندگانی کے
کسی کا پاس آ جانا کسی کا دور ہو جانا

مناسب حل نکل جائے کہ ہم بھی چین سے جی لیں
برا ہوتا ہے دانش زخم کا ناسور ہو جانا

☆☆

غزل

شکم کی آگ کی حدت سے کانپ جاتا ہوں
میں اپنے گھر کی ضرورت سے کانپ جاتا ہوں

بدلتے وقت کی رنگت سے کانپ جاتا ہوں
وصالِ یار کی ساعت سے کانپ جاتا ہوں

قدم قدم پہ عداوت سے ڈر نہیں لگتا
قدم قدم پہ محبت سے کانپ جاتا ہوں

کبھی کبھی تو کسی مرد سے نہیں ڈرتا
کبھی کبھی میں اک عورت سے کانپ جاتا ہوں

بساطِ دہر میں اک لمحۂ خوشی کے لیے
میں رات دن کی مشقت سے کانپ جاتا ہوں

☆☆

□

غزل

کیا سہل تھا زندانِ رفاقت سے نکلنا
گویا کسی پر ہول قیامت سے نکلنا

کوشش تو بہت اپنے تئیں ہم نے مگر کی
ممکن نہ ہوا دل کی حکومت سے نکلنا

دن رات کی محنت کا نتیجہ ہے یہ ورنہ
آساں نہیں زنجیرِ ضرورت سے نکلنا

آسیب کا سایہ ہے کے جادو کا اثر ہے
ہوتا ہی نہیں اس کی محبت سے نکلنا

توہینِ عدالت کا یہ منظر بھی غضب ہے
مجرم کا بری ہو کے عدالت سے نکلنا

☆☆

غزل

بیت گئے ہیں جو لمحات
ناممکن ہے آئیں ہات

خوشیاں اس کی مٹھی میں
جس نے دی ہے غم کو مات

ڈھونڈ رہا ہوں روشن دن
قسمت میں ہے کالی رات

ٹوٹ گئی کیوں نیند مری
جب کہ بچی ہے آدھی رات

گود میں اس کی رکھا سر
بیت گئی بس ساری رات

☆☆

□

غزل

جہاں قاتل کو منصب منصفی کا مل گیا ہوگا
ذرا سوچو وہاں کیا حق بجانب فیصلہ ہوگا

کھلی آنکھوں سے پہلے دیکھنا پھر فیصلہ کرنا
وفا کی راہ میں ہر اک قدم پر حادثہ ہوگا

ضرورت کے حوالے کردیا جائے جو رشتوں کو
تو ہوگا باپ بیٹے کا نہ بیٹا باپ کا ہوگا

اسی امید پر زنداں میں سانسیں لے رہا ہوں میں
کبھی تو بات سلجھے گی کبھی تو فیصلہ ہوگا

خموشی سادھ لیتا ہو جو سن کر گالیاں دانش
اُسے ادنیٰ نہیں سمجھو وہ عالی مرتبہ ہوگا

☆☆

غزل

اسے ہر چیز اپنی دے چکا ہوں
میں کتنا زندگی کو چاہتا ہوں

مری جانب اچھالو سنگ ریزے
میں شیشے کی حویلی میں کھڑا ہوں

زمانہ سے کروں کیسے شکایت
میں اپنی لاش پر خود ہی کھڑا ہوں

وہ میری ذات میں پنہاں ہے لیکن
میں خود سے دور اُس کو ڈھونڈتا ہوں

مری آنکھیں ہیں گرچہ بند دانش
مگر تجھ کو مسلسل دیکھتا ہوں

☆☆

□

غزل

ہمیشہ اک نہ اک الجھن پریشانی میں رہتے ہیں
پتہ کچھ تو چلے کس کی نگہبانی میں رہتے ہیں

ہزاروں بے گنہ لوگوں کی جس نے جان لے لی ہے
اُسی کافر ادا کی ہم ثنا خوانی میں رہتے ہیں

ہم اپنے جان و دل کا فیصلہ اب خود ہی کرتے ہیں
کسی کا کیا کہ ہم خشکی میں یا پانی میں رہتے ہیں

ہم اپنی آنکھ کے خوش رنگ خوابوں کے اشارے پر
کبھی دریا کبھی صحرا کی ویرانی میں رہتے ہیں

عطا کر دی گئی ہے فطرتِ نایاب یہ ہم کو
فقیرِ شہر ہو کر شانِ سلطانی میں رہتے ہیں

☆☆

غزل

خون میں تر ہر منظر ہے
ہاتھ میں سب کے خنجر ہے

اس کا دل معلوم نہیں
شیشہ ہے یا پتھر ہے

دل میں عداوت کا شعلہ
لفظِ محبت لب پر ہے

وقت سے الجھے کون یہاں
خود ہی وقت سکندر ہے

□

لب پہ تبسم ہے رقصاں
محشر دل کے اندر ہے

ساتھ ہمیشہ دانش کے
یادوں کا اک لشکر ہے

☆☆

غزل

اک شخص میرے شہر میں چشمِ غزال ہے
اس پر ہے یہ کمال کہ وہ بے مثال ہے

اک پل میں شاہِ وقت کی پگڑی اچھال دے
دنیا کو زیر کرنے میں حاصل کمال ہے

جی بھر کے دیکھنے کی تمنا نہ مٹ سکی
غم بھی اسی کا ہے مجھے اِس کا ملال ہے

آ کر ملائے شہرِ ستمگر میں اب کوئی
آنکھیں مری نگاہ سے کس کی مجال ہے

صرف نظر کروں بھی تو آخر میں کس طرح
دانشؔ وہی تو شہر میں اک ہم خیال ہے

☆☆

□

غزل

خدا کو یاد تو کرتی ہے یہ دنیا مصیبت میں
مگر پھر بھول جاتی ہے سہولت میں فراغت میں

تجسّس ہے، طلب ہے آرزو ہے میری فطرت میں
میں رہ سکتا نہیں ہرگز کبھی شہرِ قناعت میں

جھلستا ہے بدن جب بھی ضرورت کی تمازت میں
خلل تب پڑ ہی جاتا ہے عبادت میں ریاضت میں

مری گردن پہ شمشیرِ برہنہ گرچہ رکھی ہے
کمی آتی نہیں پھر بھی مرے شوقِ شہادت میں

ہمیشہ وقت کی قلت تمہارے پاس رہتی ہے
سنائیں حالِ دل اپنا کبھی آؤ تو فرصت میں

☆☆

غزل

بظاہر پاک دامن لگ رہا ہے
گناہوں کا مگر وہ دیوتا ہے

محل خوابوں کے ڈھہتے جا رہے ہیں
مرے ہمراہ کس کی بددعا ہے

اکھڑتی جا رہی ہیں میری سانسیں
محبت کا یہ کیسا ذائقہ ہے

تجھے دیکھوں تو خود کو میں سنواروں
ترا چہرا سراپا آئینہ ہے

□

منائیں خیر اہلِ ہوش اپنی
جنوں بیباک ہوتا جا رہا ہے

وہ قاتل ہے کہ ہے مقتول دانشؔ
لہو میں تر بہ تر جس کی قبا ہے

☆☆

غزل

ملال تیرہ شبی کا نہ تم کبھی کرنا
جگر کے داغ سے راہوں میں روشنی کرنا

ہر ایک موڑ پہ ہے انتظار میں قاتل
غلط ہے ایسے میں قسمت کی بات بھی کرنا

بدن کو زخم تو دل کو خراش ملتا ہے
نہیں ہے سہل زمانے میں دوستی کرنا

لہو بھی دل کا چراغوں کو دینا پڑتا ہے
بڑا کٹھن ہے شب غم میں روشنی کرنا

تجھے قسم ہے محبت کی لاج رکھ لینا
کبھی نہ بھول کے دانشؔ سے بے رخی کرنا

☆☆

□

غزل

جو رہتا رابطہ اب تک پریشانی میں رکھ دیتا
محبت سے اٹھا کر کھولتے پانی میں رکھ دیتا

وہ اس انداز سے کرتب دکھاتا ہے کہ مجھ کو بھی
اگر نا واقفی ہوتی تو حیرانی میں رکھ دیتا

مری خودسر مزاجی نے بچایا ہے مجھے اب تک
ترا شوقِ طلب ورنہ پشیمانی میں رکھ دیتا

کبھی نوبت نہیں آتی کفِ افسوس ملنے کی
میں ساری نیکیاں اپنی اگر پانی میں رکھ دیتا

خدا ناخوش نہیں ہوتا ہے نافرمان بندوں سے
اٹھا کر ورنہ اس دنیا کو طغیانی میں رکھ دیتا

☆☆

غزل

دیوانگیِ عشق کا محور نہیں ہے تو
میں جس کو چاہتا ہوں وہ پیکر نہیں ہے تو

پھر بھی طلب کی راہ میں بھٹکوں تمام رات
میں جانتا ہوں میرا مقدر نہیں ہے تو

صورت ہو کیا نباہ کی آخر بتا تو ہی
سب جانتے ہیں میرے برابر نہیں ہے تو

دیکھا ہے جس کو خواب میں کل رات میں نے بھی
قاتل وہ تو نہیں ہے، ستمگر نہیں ہے تو

القصہ مختصر کہ تعلّق کے شہر میں
اوجھل مری نگاہ سے پل بھر نہیں ہے تو

☆☆

□

غزل

یہ منظر خوشنما کتنا دھواں ہونے سے پہلے تھا
میں اس کی جان کا حصہ زیاں ہونے سے پہلے تھا

خدا جانے کہ آدم کون سی منزل میں خوابیدہ
تعلّق جسم و جاں کے درمیاں ہونے سے پہلے تھا

ذرا سی بات پر دنیا مراسم توڑ لیتی ہے
پتہ کس کو کسی کے بدگماں ہونے سے پہلے تھا

پتہ چلتا ہے کندن کی حقیقت کا کسوٹی پر
ذہانت میں وہ یکتا امتحاں ہونے سے پہلے تھا

یہی تو مختصر تاریخ ہے ہر شہر کی دانشؔ
کہ وحشتناک صحرا آشیاں ہونے سے پہلے تھا

☆☆

غزل

صدی کا ایک اک لمحہ خلاف رہتا ہے
مری انا سے زمانہ خلاف رہتا ہے

کسی کے سامنے سر کو جھکا نہیں سکتا
اسی لیے وہ سراپا خلاف رہتا ہے

بنے گی بات بھی کیسے، جہان کا خالق
مرے عمل سے ہمیشہ خلاف رہتا ہے

کہیں تو فکر و مسائل الجھ رہے ہوں گے
جو اپنے باپ سے بیٹا خلاف رہتا ہے

□

اگر خفا ہے وہ مجھ سے تو غم نہیں کوئی
حقیقتوں سے فسانہ خلاف رہتا ہے

کرے بھی سیر تو کیسے کوئی گلستاں کی
یہاں نظر سے نظارہ خلاف رہتا ہے

☆☆

غزل

خوب ہمارا رشتہ تھا
تو پتھر میں شیشہ تھا

ٹوٹ گیا کیوں پل بھر میں
برسوں کا جو رشتہ تھا

ہو کے جدا محسوس ہوا
ساتھ نہیں تھا سپنا تھا

تیری چاہت سچی تھی
میرا پیار ہی جھوٹا تھا

دیکھ رہا ہوں اس کی راہ
سپنے میں جو آیا تھا

☆☆

غزل

دل کو ہمسایۂ آزار کروں یا نہ کروں
زندگی بول تجھے پیار کروں یا نہ کروں

یہ حقیقت ہے تجھے میں نے بہت چاہا ہے
اس حقیقت کا میں اظہار کروں یا نہ کروں

سوچتا ہوں کہ سلگتے ہوئے صحرا میں بھی
خواہش سایۂ دیوار کروں یا نہ کروں

اپنی خوشیوں میں تو شامل تجھے رکھا لیکن
دولتِ غم کا بھی حقدار کروں یا نہ کروں

زندگی جب کہ اکیلی بھی گزر سکتی ہے
خود کو میں تیرا طلبگار کروں یا نہ کروں

☆☆

غزل

زمانہ پھر شہادت چاہتا ہے
نئی نسلوں میں جرأت چاہتا ہے

کہو اس سے کہ دل بیدار کر لے
جو دنیا پر حکومت چاہتا ہے

بہت آسانیاں ہیں پھر بھی یہ دل
تری نظرِ عنایت چاہتا ہے

ابھی اٹھ کے میں بیٹھا بھی نہیں ہوں
وہ پھر مجھ پر حکومت چاہتا ہے

بڑا مشکل ہے دانش شعر کہنا
یہ فن لمبی ریاضت چاہتا ہے

☆☆

□

غزل

کوئی بھی غم گسار ہمارا نہیں تو کیا
غم سہنے کے سوا کوئی چارا نہیں تو کیا

ہمراہ تیری یاد کی شمعیں ہیں بے شمار
راہوں میں میری ایک بھی تارا نہیں تو کیا

میں چل رہا ہوں آج بھی عزم و یقیں کے ساتھ
حاصل مجھے کسی کا سہارا نہیں تو کیا

دیکھے مری نگاہ سے کوئی تو پھر کہے
جگ میں مرا حبیب نیارا نہیں تو کیا

کوئی تو ہے خیال کی دنیا میں محوِ رقص
شانے پہ میرے ہاتھ تمہارا نہیں تو کیا

☆☆

غزل

(خالد عبادی کی نذر)

یہاں کس کی حکومت تھی یہاں کس کی حکومت ہے
وہی حالات گلشن کے، وہی پھولوں کی رنگت ہے

یہ دنیا ہے مرے دل کی چلے جاؤ یہاں سے تم
یہاں میری حکومت تھی، یہاں میری حکومت ہے

شکم کی آگ نے سب کچھ جلا کر خاک کر ڈالا
کسی کی یاد آتی ہے نہ اب ملنے کی حسرت ہے

چلو یہ فیصلہ اب شہر کے قاضی پہ رکھتے ہیں
مجھے تیری ضرورت ہے، تجھے میری ضرورت ہے

ہواؤں میں یہ کیسا زہر شامل ہو گیا دانش
کسی کا دل کسی سے اب نہیں ملتا قیامت ہے

☆☆

□

غزل

مرے احساس کو پتھر کر دے
یا ہر اک شاخ ثمرور کر دے

ایسے حالات نہ پیدا کرنا
جو فضاؤں کو مکدّر کر دے

ان غریبوں کو مکاں دے یا پھر
ان امیروں کو بھی بے گھر کر دے

دے مسرّت کی بشارت یا پھر
غم کا ہر پیڑ تناور کر دے

دے سکوں بخش فضائیں ہم کو
ورنہ اچھا ہے کہ محشر کر دے

☆☆

غزل

میں اپنے آپ میں اک معجزہ ہوں
کہ ہوں شیشہ مگر پتھر نما ہوں

مرے قدموں میں سر میرا پڑا ہے
مگر حیرت ہے میں زندہ کھڑا ہوں

چلا بخشوں کہ سولی پر چڑھاؤں
تمناؤں کا میں اپنی خدا ہوں

مجھے پہچان اپنی ہوگئی ہے
اچانک، چلتے چلتے رک گیا ہوں

نہیں بھٹکا ہوں اپنی راہ سے میں
بھٹک کر تجربہ اک کر رہا ہوں

☆☆

غزل

تیری جانب میں رواں رہتا ہوں
یعنی مائل بہ زیاں رہتا ہوں

چاہے انجام ہو جو بھی لیکن
میں تو مصروفِ گماں رہتا ہوں

تم تو رہتے ہو اماں میں اس کی
میں تو بر نوکِ سناں رہتا ہوں

وہ جو کہتا ہے وہی کرتا ہے
میں بھی پابندِ زباں رہتا ہوں

میں تو سیماب صفت ہوں دانش
کسی مرکز پہ کہاں رہتا ہوں

☆☆

غزل

کون رہتا ہے یہاں فرصت میں
تم بھی آتے ہو بڑی عجلت میں

کسی قیمت پہ نہیں ٹل سکتا
وہ جو لکھا ہے مری قسمت میں

اشک آنکھوں سے رواں رہتا ہے
اور جیتے ہیں یہاں وحشت میں

جان قربان بھی ہو سکتی ہے
یہ بھی ممکن ہے تری قربت میں

لوگ تسبیح یہاں گنتے ہیں
اور اجرت ہے وہاں جنت میں

☆☆

□

غزل

چلو ہم بھی کارِ عجب کچھ کریں
بہت چپ رہے اب غضب کچھ کریں

بہت روز بیکار بیٹھے رہے
خیال آ رہا ہے کہ اب کچھ کریں

عجب تیری دنیا کا دستور ہے
ملے کچھ ہمیں، ہم طلب کچھ کریں

تری فکر سے ہم کو فرصت نہیں
تو بول اپنے لیے کب کچھ کریں

سدا دھن میں رہنا نہیں ٹھیک ہے
ذرا دیر اب بے سبب کچھ کریں

☆☆

غزل

مسلسل کوششوں سے اور پریشانی سے کیا ہوگا
مقدّر ہو خفا تو خوابِ امکانی سے کیا ہوگا

مگر وہ خون جو ناحق ہوا ہے قریۂ جاں میں
پہ اب اس کی ندامت سے پشیمانی سے کیا ہوگا

حصارِ ذات میں واقع تو اک شاداب دنیا ہے
حصارِ ذات کے باہر کی ویرانی سے کیا ہوگا

کوئی صورت نظر آتی نہیں تعبیر کی جب تک
دیارِ چشم میں خوابوں کی ارزانی سے کیا ہوگا

اگر دل چاہ لے تو راستے کی سختیاں کیا ہیں
اگر دل ہی نہیں مائل تو آسانی سے کیا ہوگا

☆☆

□

غزل

ترے ہاتھوں میں رہوں برگِ حنا ہو جاؤں
سوچتا ہوں کہ میں اب تجھ میں فنا ہو جاؤں

مدّتوں روتے رہیں گے یہ زمانے والے
میں اگر آج زمانے سے خفا ہو جاؤں

زندہ رہنے کے لیے یہ بھی تو ضروری ہے بہت
ہو اجازت تو میں تھوڑا سا برا ہو جاؤں

تو اگر کر لے مجھے حرفِ دعا میں شامل
میں یقیناً ہی مقدّر کا خدا ہو جاؤں

☆☆

غزل

ہاں! جتنا دشوار ہوں میں
اتنا ہی ہموار ہوں میں

میں بھی رستہ بھول گیا
تیرا ہی کردار ہوں میں

تجھ سے شکایت کیا معنی؟
خود سے ہی بیزار ہوں میں

خون کو پانی کرتا ہوں
یہ نہ سمجھ بے کار ہوں میں

آ تو میری بانہوں میں
جب تیرا حقدار ہوں میں

☆☆

□

غزل

مرے دریا کو حاصل بیکرانی ہونے والی ہے
کسی نا مہرباں کی مہربانی ہونے والی ہے

بپا ہونے ہی والا ہے یہاں ہنگامۂ محشر
مرے دل کی مکمل ہر کہانی ہونے والی ہے

کوئی صورت نہیں نکلے اگر تکمیل خواہش کی
تو پھر سمجھو خدا کی مہربانی ہونے والی ہے

یہ ظاہر ہے یہاں سے ہر کوئی بے فیض لوٹے گا
مرے دریا پہ اس کی حکمرانی ہونے والی ہے

دعا کو ہاتھ اٹھ جانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا
اگر نازل بلائے آسمانی ہونے والی ہے

☆☆

غزل

اگر خوفِ خدا کچھ بھی نہیں ہے
تو پھر اچھا برا کچھ بھی نہیں ہے

تمہارے شہر میں سب کچھ ہے لیکن
ہمارے کام کا کچھ بھی نہیں ہے

ہے تیری دسترس میں ساری دنیا
ہمارا فیصلہ کچھ بھی نہیں ہے

ہماری جاں فشانی کا نتیجہ
مقدر کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

□

بہت کچھ ہو چکا ہے سن رہے ہیں
مگر اب تک ہوا کچھ بھی نہیں ہے

نہ سوچو تو خدا سب کچھ ہے دانشؔ
اگر سوچو خدا کچھ بھی نہیں ہے

☆☆

غزل

ہماری جان افشانی کا قصہ کون لکھے گا
خدایا تیری سلطانی کا قصہ کون لکھے گا

یہ دنیا گفتگو میں محو ہے شاداب خطے کی
مرے صحرا کی ویرانی کا قصہ کون لکھے گا

اچانک تیرے تیور کا بہت تبدیل ہو جانا
میری آنکھوں کی حیرانی کا قصہ کون لکھے گا

ہمارے جاں نثاروں کو تو سب پہچانتے ہوں گے
ہمارے دشمنِ جانی کا قصہ کون لکھے گا

یہ دنیا نازنینوں کی اداؤں کی ہے دلدادہ
ہماری اشک افشانی کا قصہ کون لکھے گا

☆☆

□

غزل

خرد سے کوئی گلہ نہیں ہے
جنوں ہی حد سے بڑھا نہیں ہے

برا سمجھتی ہے جس کو دنیا
مری نظر میں برا نہیں ہے

جو روز ہوتا ہے ہو رہا ہے
نیا تو کچھ بھی ہوا نہیں ہے

ہے کرتے رہنا جو جی میں آئے
کسی سے کچھ پوچھنا نہیں ہے

☆☆

غزل

یہ دل محکوم ہو کے زعمِ سلطانی میں رہتا ہے
مری دانشوری سے جنگ سامانی میں رہتا ہے

بصارت ہو تو آنکھیں دیکھ سکتی ہیں منظر بھی
کہ پنہاں خطۂ شاداب ویرانی میں رہتا ہے

یہ دنیا کارِ لاحاصل میں ہے مصروف برسوں سے
خرد بھی کیا عجب ہے قصرِ نادانی میں رہتا ہے

کوئی زنجیر کر لیتا گزرتے وقت کو لیکن
پرندہ وقت کا تو اپنی من مانی میں رہتا ہے

ہمارا تجربہ دانش جدا ہے اور لوگوں سے
کسیلا پن تمہارے شہر کے پانی میں رہتا ہے

☆☆

□

غزل

اک شخص انتظار سہولت میں رہ گیا
محصور ہو کے خوف صعوبت میں رہ گیا

اک وہ کہ کائنات کو تسخیر کر چکا
اک میں کہ پیروئ قناعت میں رہ گیا

لاحاصلی کی نذر میری جان ہو گئی
محصور میں بھی امیدِ عنایت میں رہ گیا

جا بھی چکا وہ دور بہت مجھ کو چھوڑ کر
الجھا ہوا میں اس کی محبت میں رہ گیا

☆☆

غزل

مجھ سے مرا حبیب مخاطب نہیں ہوا
جو کچھ ہوا ہے آج مناسب نہیں ہوا

اس کی مصاحبت سے ہوا جان کا زیاں
اور میں بھی اپنی جان کا طالب نہیں ہوا

میرا وجود خاک میں مل بھی گیا مگر
اب تک تری تلاش سے تائب نہیں ہوا

میں بھی اسی کا ہو کے زمانے میں رہ گیا
وہ بھی مری نگاہ سے غائب نہیں ہوا

ورنہ مرا بھی حشر وہی بے گناہ سا
اچھا ہوا کہ دل کبھی تائب نہیں ہوا

☆☆

□

غزل

مجھ سے کبھی سوال کسی نے نہیں کیا
یعنی کہ یہ مجال کسی نے نہیں کیا

شازش وہ کر رہا تھا مگر اس ہنر کے ساتھ
اس پہ یہ احتمال کسی نے نہیں کیا

اس نے مرے خیال سے دامن بچا لیا
اس سے بھی اتصال کسی نے نہیں کیا

یہ بھی نہیں کسی کو ضرورت نہیں مری
دریافت پھر بھی حال کسی نے نہیں کیا

☆☆

غزل

مرے خواب سارے چلے جائیں گے
ہیں جتنے دلارے چلے جائیں گے

کسی روز چپ سے جہاں چھوڑ کر
مصیبت کے مارے چلے جائیں گے

اندھیرا ہے حدِ نظر تک مگر
کسی کے سہارے چلے جائیں گے

مخاطب نہ ہوگا وہ میری طرف
اسی کو پکارے چلے جائیں گے

کوئی پل میں تنہا ہمیں چھوڑ کر
ضیاء بار تارے چلے جائیں گے

☆☆

غزل

عقیدت ہو تو پتھر دیوتا ہے
خدا بھی ورنہ دانش کب خدا ہے

تمھارا بھی یہی گر فیصلہ ہے
تو پھر تم نے مجھے دھوکا دیا ہے

بدن اس کے تصرف میں ہے لیکن
چراغِ جاں پہ قابض دوسرا ہے

ہر اک چہرہ اداسی میں ہے ڈوبا
نئی رت کا یہ کیسا ذائقہ ہے

وہاں کی فکر کھائے جا رہی ہے
یہاں ہر خطۂ جاں بے ضیا ہے

☆☆

غزل

یاد کے دریچوں سے جب بھی اس کو دیکھا ہے
غم ہماری آنکھوں سے ابر بن کے برسا ہے

روح کانپ جاتی ہے اس گھڑی نہ جانے کیوں
جب خلوص سے کوئی مجھ سے آ کے ملتا ہے

بند اس نے مٹھی میں کر لیا ہے دریا کو
تشنگی بتا مجھ کو کیا ترا ارادہ ہے

جب نگاہ پڑتی ہے زندگی کے چہرے پر
اشک بن کے خونِ دل آنکھ سے ٹپکتا ہے

احترام قبلہ ہے نہ لحاظ ساعت کا
کس جنوں میں اے دانش تو نماز پڑھتا ہے

☆☆

□

غزل

غیظِ امواج کا طوفان کا شر لکھا ہے
میری قسمت میں سمندر کا سفر لکھا ہے

میرے رستے میں فقط خار ہیں تا حدِ نظر
آپ کی راہ گزر میں گلِ تر لکھا ہے

غوطہ زن سیکڑوں افراد ہیں دریا میں مگر
کیا پتہ کس کے مقدر میں گہر لکھا ہے

ذائقہ ترش ہے ایسا کہ بتانا ہے محال
میری قسمت میں جو ہستی کا ثمر لکھا ہے

ہے مرا دھوپ میں چلنا ہی مقدر دانش
اس کی تقدیر میں ہر گام شجر لکھا ہے

☆☆

غزل

وقت یہ کیسا آیا ہے
خون کا دریا بہتا ہے

خواب میں تیرا آجانا
بے حد اچھا لگتا ہے

آدھی شب کو کمرے میں
کس کا سایہ آتا ہے

جانے ہوا ہے کیا اسکو
گم صم بیٹھا رہتا ہے

ٹوٹ گیا ہے دل شاید
دانش بکھرا بکھرا ہے

☆☆

غزل

قربتوں کا جو سلسلہ دے گا
نفرتوں کو وہی ہوا دے گا

اس پہ ہرگز یقین مت کرنا
ورنہ تم کو وہ حادثہ دے گا

مشورہ تم کسی سے مت لینا
ورنہ وہ حوصلہ گھٹا دے گا

ہلکی آہٹ پہ جو بکھرتا ہے
سوئے بچوں کو وہ جگا دے گا

حال دل کا بیان مت کرنا
ورنہ ہنس کر وہ دل جلا دے گا

☆☆

غزل

وقت کی نوازش کا آسرا نہیں کرتے
ہم کبھی زمانے پر اکتفا نہیں کرتے

اپنا حق زمانے سے بڑھ کے چھین لیتے ہیں
ہم کبھی زمانے سے التجا نہیں کرتے

دوست ہو کہ دشمن ہو، اپنا ہو کہ بیگانہ
حق میں ہم کسی کے بھی بد دعا نہیں کرتے

کب تمھاری یادوں سے بے نیاز رہتے ہیں
کب تمہاری چاہت کا تذکرہ نہیں کرتے

عدل اور صداقت سے ہم کو پیار ہے دانشؔ
مجرموں کے حق میں ہم فیصلہ نہیں کرتے

☆☆

□

غزل

اسے خوب دیکھا بہت بات کی
تصور میں جب بھی ملاقات کی

اجالے ہیں رقصاں مری راہ میں
شعاعیں بہت ہیں خیالات کی

ہم اہلِ سفر سے نہ پوچھے کوئی
"کہاں دن گزارا کہاں رات کی"

مرا ہم نشیں کتنا معصوم ہے
زباں بھی نہ سمجھے ہے جذبات کی

کنارے پہ رہ کر یہ ممکن نہیں
خبر ہو سمندر کے حالات کی

☆☆

غزل

دامن کو کبھی اپنے پسارا نہیں کرتے
ہم اپنی ضرورت کو برہنہ نہیں کرتے

طوفان کے نرغے میں ہے ہستی کا سفینہ
ساحل کی مگر اب بھی تمنا نہیں کرتے

دینی ہے تو دے آج ہی ہر سانس کی قیمت
ہم وعدۂ فردا پہ بھروسہ نہیں کرتے

بس منزلِ مقصود پہ رہتی ہیں نگاہیں
ہم اور کوئی راہ میں سودا نہیں کرتے

□

ہیں زخم بہت دل کے نہاں خانے میں لیکن
خاموش ہی رہتے ہیں تماشہ نہیں کرتے

ہم کاوشِ پیہم کے طرفدار ہیں دانش
ہم خواب کی دنیا میں بسیرا نہیں کرتے

☆☆

غزل

اس کی باتوں سے پتہ لگتا ہے
وہ زمانے سے خفا لگتا ہے

بات فرسودہ سہی اس کی مگر
اس کا اسلوب نیا لگتا ہے

خواب جو ٹوٹ رہے ہیں میرے
مجھ سے ناراض خدا لگتا ہے

زہر آلود ہے موسم کتنا
گھر سے نکلو تو پتہ لگتا ہے

□

کس کو معلوم ہے باطن اس کا
دیکھنے میں تو بھلا لگتا ہے

گانو والوں کا تمدن دانش
شہر والوں کو برا لگتا ہے

☆☆

غزل

میں اس کی ذات کو یوں رابطہ میں رکھتا ہوں
کہ اس کے عکس کو اپنی ادا میں رکھتا ہوں

سبیل یوں بھی نکلتی ہے اک حفاظت کی
میں خود کو محفلِ نا آشنا میں رکھتا ہوں

بلائیں چھو نہ سکیں گی اسے کسی صورت
تمام شب اسے حرفِ دعا میں رکھتا ہوں

تمام رات کا عالم قیامتوں جیسا
میں خود کو ذہنِ قیامت نما میں رکھتا ہوں

☆☆

□

غزل

تیز رو ہواؤں کا زور آزمائیں گے
شاخِ گل پہ ہم اپنا آشیاں بنائیں گے

آسماں تجھے اک دن یہ بھی کر دکھائیں گے
قاتلوں کی بستی میں اپنا گھر بنائیں گے

بام و در سجا لینا اے قضا قرینے سے
خوابِ زندگی لے کر تیرے گھر میں آئیں گے

اعتراض تجھ کو ہے اک ہمارے ہونے پر
دیکھنا کہ ہم اک دن شہر چھوڑ جائیں گے

ہم تجھے سنواریں گے اک نئے سلیقے سے
اے غزل ترے رخ پر غازہ سا لگائیں گے

☆☆

غزل

سانس لینے نہیں دیتی ہے رفاقت اس کی
خاک اک دن مجھے کردے گی عنایت اس کی

دو گھڑی ساتھ جو گزرے تو غنیمت جانو
میں تو ٹھہرا ہوں بہر حال امانت اس کی

زندگی مائلِ پرواز ہے میری پھر بھی
مجھ کو ہر پل ہوئی محسوس ضرورت اس کی

چاند تاروں سے بھی آگے میں نکل جاؤں گا
مجھ کو حاصل اگر ہو جائیں حمایت اس کی

□

جی تو کہتا ہے کوئی خواب تراشوں لیکن
جاگ جائے نہ کہیں پھر سے شرارت اس کی

اس کا چہرہ مری آنکھیں تو گئیں بھول مگر
آج بھی یاد ہے سینے میں سلامت اس کی

☆☆

غزل

ہے ماہتاب ان دِنوں کالی گھٹا میں گم
پھر کیوں نہ یہ زمین ہو ظلمت کدہ میں گم

صدیاں گزر چکی ہیں کہاں اس کا ہے خیال
ہم ہیں ترے حصول میں اب بھی دعا میں گم

رعنائِ حیات کہاں ان کی ہو سکی
جو ہو چکے ہیں آپ کی زلفِ رسا میں گم

مختارِ کل جہان میں بس تیری ذات ہے
ہوتی ہے تیرے حکم سے ہر شئے فنا میں گم

رُک رُک کے چل رہی ہے مری زندگی کی سانس
اک ذات جب سے ہو گئی دانش فنا میں گم

☆☆

□

غزل

مرے پیکر کو روحِ جاودانی کون بخشے گا
مرے خاموش دریا کو روانی کون بخشے گا

مرے اس کرب کا احساس ہوگا کس کو دنیا میں
مرے جلتے ہوئے ہونٹوں کو پانی کون بخشے گا

مری تقدیر پائے گی جلا کس کی محبت سے
مری انگلی کو چاہت کی نشانی کون بخشے گا

مری جھولی میں غم کے خار جب تیری عنایت ہیں
تو پھر دامن کو بوئے شادمانی کون بخشے گا

☆☆

غزل

بے رخی صداقت سے اختیار مت کرنا
آبرو قلم کی تم تار تار مت کرنا

قربتوں کے پہلو میں دشمنی مچلتی ہے
تم کسی کی چاہت کا اعتبار مت کرنا

میں تمھاری یادوں کے شمع کو بجھا دوں گا
تم بھی میرے آنے کا انتظار مت کرنا

وہ جو ہو خفا تو پھر زیست یار بن جائے
تم کسی سے دنیا میں اتنا پیار مت کرنا

دوست بن کے دنیا میں لوگ لوٹ لیتے ہیں
تم کسی پہ اے دانش اعتبار مت کرنا

☆☆

□

غزل

مرے خلوص کو آخر وہ کیا سمجھتا ہے
ملوں میں اس سے تو مجھ کو برا سمجھتا ہے

بھلا میں اس سے رفاقت کی کیا امید رکھوں
وہ چاہتوں کو مری جب خطا سمجھتا ہے

سیاہ بخت ہوں لیکن ستم یہ مجھ پر ہے
تمام شہر مجھے آئینہ سمجھتا ہے

مجھے عزیز ہے بے حد وہ اس زمانے میں
مگر وہ ہے کہ مجھے دوسرا سمجھتا ہے

☆☆

غزل

بہانہ ڈھونڈتا ہے دوستی کا
وہ جویا ہے نشاطِ زندگی کا

کہیں پانی نہیں حدِ نظر تک
عجب موسم ہے یہ بھی تشنگی کا

ڈبو دیتا ہے مجھ کو آنسوؤں میں
ہر اک دلدوز لمحہ زندگی کا

میں بڑھ کے چھین لوں رندوں سے ساغر
تقاضا ہے یہ میری تشنگی کا

□

غموں سے واسطہ پڑتا ہے دل کو
بدل جاتا ہے جب تیور خوشی کا

تقاضہ وقت کا ہے اہلِ دل سے
بدل دیں طرز اپنی زندگی کا

☆☆

غزل

یقیں کا جب تلک اک دائرہ موجود رہتا ہے
نظر آتا نہیں لیکن خدا موجود رہتا ہے

میں سورج کے نکلنے پر زیادہ خوش نہیں ہوتا
مری آنکھوں میں منظر شام کا موجود رہتا ہے

ہے کاوش کس قدر بے سود انساں کی، اگرچہ ہے
ہتھیلی پر خدا کا فیصلہ موجود رہتا ہے

ہمیشہ ملتے رہتے ہیں محبت سے مگر پھر بھی
دلوں کے درمیاں اک فاصلہ موجود رہتا ہے

□

مری آنکھوں میں رہتی ہے کسی کی صورتِ زیبا
مگر پہلو میں کوئی دوسرا موجود رہتا ہے

جہاں سے فیصلہ ہوتا ہے صادر قتل کا میرے
وہاں ناآشنا کیا آشنا موجود رہتا ہے

☆☆

غزل

غلط یقین ہے تم کو خدا نہیں دے گا
دعا کو ہاتھ اٹھاؤ تو کیا نہیں دے گا

میں اس کی راہ میں خوشبو بچھا بھی دوں تو کیا
وہ میری راہ کا پتھر ہٹا نہیں دے گا

غریب لوگوں کو دنیا تباہ کر دے گی
امیرِ شہر کو منصف سزا نہیں دے گا

غموں کی فصل جہاں تک ہو کاٹتے جاؤ
خوشی کے گھر کا کوئی پتہ نہیں دے گا

فلک آہو اسرار دانش

□

جگر کے زخم دکھانے سے فائدہ کیا ہے
کوئی بھی زخم پہ مرہم لگا نہیں دے گا

ترے خلاف میں دانش بیان کیسے دوں
مرا ضمیر مجھے حوصلہ نہیں دے گا

☆☆

غزل

سرِ مقتل ادائے سرمدی کے ساتھ رہتی ہے
ہماری زندگی زندہ دلی کے ساتھ رہتی ہے

اسی سے دشمنی بھی ہے اسی کے ساتھ رہتی ہے
مری وحشت مری دانشوری کے ساتھ رہتی ہے

خدا محفوظ رکھے ہر بلائے آسمانی سے
اگرچہ ہے امامت گمرہی کے ساتھ رہتی ہے

بدن مامور رہتا ہے کسی وحشی کی خدمت پر
یہ کیسی بے بسی یارب کسی کے ساتھ رہتی ہے

تمہارے جسم کی خوشبو، تمہارے سانس کی گرمی
بساطِ فن پہ میری شاعری کے ساتھ رہتی ہے

☆☆

□

غزل

محبت ختم ہو جاتی ہے اور تلوار اٹھتی ہے
ذرا سی بات پر آنگن میں اب دیوار اٹھتی ہے

مرا شوقِ شہادت کام آتا ہے مرے اس دم
مری جانب کسی قاتل کی جب تلوار اٹھتی ہے

جہاں میں رونما ہوتا ہے جب بھی حادثہ کوئی
تری انگلی مری جانب ہی کیوں ہر بار اٹھتی ہے

خدا ہی خیر فرمائے، تہی دستی کے عالم میں
ضرورت جب بھی اٹھتی ہے ستم آثار اٹھتی ہے

چمک جاتی ہے اک بجلی، لپک اٹھتا ہے اک شعلہ
عجب انداز سے دانش نگاہِ یار اٹھتی ہے

☆☆

غزل

جہاں رونق تھی پہلے اب کے وحشت رقص کرتی ہے
ہمارے گھر کے آنگن میں قیامت رقص کرتی ہے

مری اس بے بسی کو کون ہے محسوسنے والا
کھڑا ہوں دم بخود میں اور ضرورت رقص کرتی ہے

نگاہ بد یہ کس نے ڈال دی ہے میرے خرمن پر
محبت جاں بلب ہے اور عداوت رقص کرتی ہے

یہاں ممکن نہیں اب حق بجانب فیصلہ ہونا
سیاست کے اشارے پر عدالت رقص کرتی ہے

نہیں مشکل کوئی بھی کام دانش اس زمانے میں
اگر ہو مال و زر تو پھر حکومت رقص کرتی ہے

☆☆

□

غزل

ہمارے ملک کی آخر قیادت کون کرتا ہے
وطن کو بیچ دینے کی سیاست کون کرتا ہے

عجب وحشت مسلّط ہے ہمارے قریۂ جاں پر
ہمارے قریۂ جاں پر حکومت کون کرتا ہے

جبینوں پر ابھر جانا نشانِ بندگی کیا ہے
نمائش ہے پسِ پردہ عبادت کون کرتا ہے

تجھی سے پوچھ لیتے ہیں، بتا تو ہی سوا تیرے
ہمارے قصبۂ دل میں سکونت کون کرتا ہے

سمجھ پانا بہت مشکل ہے دنیا کے تعلق سے
محبت کون کرتا ہے، عداوت کون کرتا ہے

☆☆

غزل

کبھی ہلکان ہوتا ہے کبھی ہلکان کرتا ہے
محبت میں عجب وحشت دلِ نادان کرتا ہے

یقیناً گوشۂ دل میں بدل کی چاہ رہتی ہے
کہاں کوئی غریبِ شہر پر احسان کرتا ہے

اسے حاصل ہے تمغہ آج بھی روشن خیالی کا
برائے امن جو برپا یہاں طوفان کرتا ہے

پریشاں اور بھی دنیا مسلسل ہوتی جاتی ہے
نہ جانے کیا ہمارے عہد کا سلطان کرتا ہے

ادھر دیتا ہے مجھ کو حوصلہ جینے کا دنیا میں
اُدھر جاری وہ میری موت کا فرمان کرتا ہے

کسی کا خوف کیا اس کو، بڑا بیباک ہے دانشؔ
وہ اب جو کچھ بھی کرتا ہے علیٰ الاعلان کرتا ہے

☆☆

□

غزل

جنوں شہرِ طلب میں جب تلک آباد رہتا ہے
زیاں کی فکر سے یہ دل مرا آزاد رہتا ہے

میسر آ گئی ہے کون سی منزل رفاقت کی
میں خود کو بھول جاتا ہوں مگر تو یاد رہتا ہے

ہمارے حکم سے آباد ہوتی تھی نئی دنیا
ہمارے ہاتھ میں اب کاسۂ فریاد رہتا ہے

نظر آتی کوئی شیریں میں بھی کوہکن ہوتا
مرے دل میں بھی دانشؔ جذبۂ فرہاد رہتا ہے

☆☆

غزل

خدا ہر چیز کو اپنی نگہبانی میں رکھتا ہے
عمل سے آدمی خود کو پریشانی میں رکھتا ہے

نئے موسم کی آمد ہے کہ آمد ہے تباہی کی
زمانہ پاؤں ہر لمحہ نئے پانی میں رکھتا ہے

ہمیں ہشیار رہنے کی ضرورت ہر قدم پر ہے
خرد بھی اب فراق چاک دامانی میں رہتا ہے

جھکاتا ہے جو سر اپنا خدا کے سامنے دل سے
وہ شاہِ وقت کو بھی گھر کی دربانی میں رکھتا ہے

سنبھل جانا تو فطری ہے اگر معلوم ہو دانشؔ
یہ انساں پاؤں دلدل میں تو نادانی میں رکھتا ہے

☆☆

□

غزل

تو پھر منظر بدل جائے اذیتناک ہو جائے
کسی کا چاہنے والا اگر سفاک ہو جائے

تمنا آسماں چھو لے یا زیرِ خاک ہو جائے
کچھ ایسا ہو کہ ہر قصہ زمیں کا پاک ہو جائے

خلا کی بیکرانی دست بستہ سامنے ہوگی
مگر یہ شرط لازم ہے کہ دل بیباک ہو جائے

ہمارے سامنے دنیا کی بس اتنی حقیقت ہے
ذرا سا ضرب آئے اور گریباں چاک ہو جائے

جنوں کی پھر تو سرکوبی یقینی ہے زمانے میں
خرد مندی اگر دانشؔ مرا فتراک ہو جائے

☆☆

غزل

نمناک ہے ماحول تو بے نور فضا ہے
میرے لیے کس جرم کی یارب یہ سزا ہے

پھر شور یہ کیسا ہے اناالحق کی صدا کا
پھر کوچۂ قاتل کی طرف کون گیا ہے

آمادہ کوئی خون تمنا پہ نہیں تھا
ہر ایک کو حالات نے مجبور کیا ہے

وہ کون ہے جو شان سے پتھر کے نگر میں
شیشے کی قبا اوڑھ کے بے خوف کھڑا ہے

☆☆

□

غزل

دیواروں سے سر ٹکرانا ہم کو اچھا لگتا ہو
تنہائی میں اشک بہانا ہم کو اچھا لگتا ہے

طوفانوں سے آنکھ لڑانا ہم کو اچھا لگتا ہے
دریاؤں کو تیر کے جانا ہم کو اچھا لگتا ہے

گلشن گلشن آگ لگانا اس کی فطرت میں شامل
صحرا صحرا پھول کھلانا ہم کو اچھا لگتا ہے

اور بھی رستے شہر کی جانب اس بستی سے جاتے ہیں
اس کی گلی سے ہو کر جانا ہم کو اچھا لگتا ہے

پھول کی خوشبو اس کو مبارک، خوشبو کا شیدائی وہ
صحراؤں میں خاک اڑانا ہم کو اچھا لگتا ہے

☆☆

غزل

وہ ہماری غزلوں کو سن کے مسکراتے ہیں
اور ہم انھیں دانش حالِ دل سناتے ہیں

پھول ہم بچھاتے ہیں جن کی شاہراہوں میں
وہ ہمارے رستے میں خار کیوں بچھاتے ہیں

نیند ہے خفا ہم سے رات بھر نہیں آتی
رات بھر غزل کوئی ہم بھی گنگناتے ہیں

حوصلہ کہو اس کو یا کہ سمجھو نادانی
آشیاں بنا کر ہم پھر اسے جلاتے ہیں

رو رہا ہوں میں دانش کر کے یاد ماضی کو
اور اہل دنیا ہیں خوب مسکراتے ہیں

☆☆

□

غزل

اسی کو آزماتی ہے یہ دنیا ضرب کاری سے
جو سب لوگوں سے ملتا ہے نہایت خاکساری سے

ہمارے قصبۂ دل میں سکونت کون کرتا ہے
ستمگر ہے، پتہ چلتا ہے دل کی بیقراری سے

کسی کی ناز برداری کے ہم قائل نہیں لیکن
پگھل جاتا ہے یہ پتھر تمہاری طرز یاری سے

کسی کی بے رخی اچھی بہت لگتی ہے دنیا میں
سُلگ اٹھتا ہے دل دانش کسی کی غم گساری سے

☆☆

غزل

سلیقہ سیکھ لے پہلے ادب سے بات کرنے کا
یقیناً راستہ اک چاہئے دل میں اترنے کا

یہ کیسی محویت طاری ہوئی تیری رفاقت میں
پتہ کچھ بھی نہ چل پایا قیامت کے گزرنے کا

ہم اپنے خواب کو شرمندۂ تعبیر کر لینگے
ہنر آئے تو پہلے وقت کو زنجیر کرنے کا

وہ میری بے گناہی کے تئیں مشکوک ہے شاید
سبب کیا ہے عدالت میں شہادت سے مکرنے کا

تصور جاودانی کا یہاں تو غیر ممکن ہے
یہاں تو ہوتا رہتا ہے تماشہ روز مرنے کا

☆☆

□

غزل

سفر میں زندگی کے راستے ہموار ہو جائیں
کوئی صورت نکل جائے کہ دریا پار ہو جائیں

بدل دیں طرز اپنا نیند سے بیدار ہو جائیں
تقاضہ وقت کا ہے صاعقہ آثار ہو جائیں

اُسی کے حکم سے ہر کام کا ہونا اگر طے ہے
ہماری کوششیں ساری تو پھر بے کار ہو جائیں

بہت آسان ہو جائیں ہماری مشکلیں دانش
اگر دنیا میں ہم شیر و شکر اک بار ہو جائیں

☆☆